



ضرورت اس بات کی ہے کہ عقل و آگئی کو ایک دوسرے کی ضد بحث کے بجائے ایک دوسرے کا رفیق و مددگار قرار دیا جائے۔ قدیم اسلامی تعبیرات کو ایسے مخدع عقائد (dogma) کی حیثیت سے نہ دیکھا جائے جسے negotiate نہ کیا جاسکتا ہو۔ یہ کام خاصا آسان ہو جائے گا اگر ہم اس حقیقت کو تسلیم کر لیں کہ ہمارے متقدمین جنہوں نے ماضی میں تشرح و تعبیر کا فریضہ انجام دیا ہے وہ بھی ہماری طرح انسان تھے جن سے لغزشوں اور التباسات کا صدور فطری ہے۔ ہم اس بات کے ہرگز سزاوار نہیں کہ دوسروں کے التباسات کا بوجھا پنے کندھوں پر اٹھائے پھریں۔ ہمارے لئے ہمارے اپنے التباسات کا بوجھہ ہی کیا کم ہے۔

## بین المذاہب مکالمہ کے لئے ایک نئی دینیات کی ضرورت

خواتین و حضرات!

حضرت مسیح ان چند برگزیدہ انبیاء میں سے ہیں جن کا تذکرہ بڑے ہی والہانہ انداز میں قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔ یہ بات آپ کے علم میں ہو گی کہ قرآن مجید کی ایک مکمل سورت آپ کی والدہ حضرت مریم علیہا الصلاۃ والسلام کے عنوان سے موسم ہے جنہیں قرآن نے تمام مومن مردوں اور عورتوں کے لئے قدوہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ میں جب بھی سورہ مریم کی تلاوت کرتا ہوں اس کے صوتی آہنگ، جملوں کے زیر و بم، اور مضامین کی رفتہ سے روح وجد میں آجائی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے لئے مسیح کی شخصیت سے الگ ہو جانا ممکن نہیں۔ مسیح ابن مریم ہمارے ہیں اور ہم اہل ایمان مسیح ابن مریم سے ہیں اور اس حقیقت کے باوجود کہ آج تبعین محمد اور تبعین مسیح کے درمیان گہری خلچ حائل ہے۔ ہم نظری طور پر حضرت مسیح کو اپنے آپ سے جدا نہیں کر سکتے اور نہ ہی حضرت مسیح کے پچ تبعین سے اپنا رشتہ توڑ سکتے ہیں۔ حضرت مسیح پر ہمارا ایمان، خانوادہ انبیاء کے دوسرا نبیوں کی طرح، ایمان کا جزو لا ینفک ہے مگر افسوس اس بات کا ہے کہ مسلمانوں اور حضرت مسیح کے مابین اس گہرے تعلق کا صحیح ادراک اب تک عیسائی دنیا میں نہیں کیا جاسکا ہے۔

میرے مسیحی بھائیو اور بہنو!

اہل ایمان کے گروہ جس طرح معاصر تاریخ میں بے وزن اور بے وقت ہیں شاید انسانی تاریخ میں اس سے پہلے کوئی نظری نہیں ملتی۔ آج جن لوگوں کے ہاتھوں میں دنیا کا اقتدار اعلیٰ ہے انہیں مذہبی اقدار اور اعلیٰ انسانی اخلاق کی ہوا بھی نہیں لگی ہے۔ بیسویں صدی جو ابھی گذری ہے انسانی ہلاکت، اجتماعی قبروں، منظم نسل کشی اور غیر انسانی نظریات کی ترسیل و اشاعت کے لئے پچھلی تمام صدیوں پر بازی لے گئی ہے۔ انسان انسانوں کے لئے بھیڑیا بن گیا ہے۔ جیس فیریز کی طرح ہم میں سے بہت سے لوگ اس بات پر ایمان لے آئے ہیں کہ تہذیب محض ظاہری حسن کاری ہے، اسے کھر چیز تو انسانی بہیمت اپنی اصلاحیت طاہر کر دے گی۔ آج چونکہ بہیمت کو گلو بلا نیشن کا کاندھا بھی فراہم ہو گیا ہے لہذا اب پوری دنیا بھیڑ نما انسانوں کی چراغاں بن گئی ہے۔

امریکی صدر جارج بуш کے الفاظ میں there is no place to hide گویا جارح امریکی عزائم سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ باقی نہیں رہ گیا ہے۔ کوئی جائے پناہ نہیں رہ گئی ہے۔ ہم میں سے، بہت سے لوگ چاہتے ہیں کہ موجودہ دنیا کی سواری سے اتر آئیں لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ کوئی تبادل موجود نہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے ہم لو ہے کہ ایک پنجڑے میں قید ہوں جس کی دیواریں چھار سمت سے ہم پر شگ کی جا رہی ہوں۔ یہ ایک ایسی صورتحال ہے جو اس سے پہلے فرد کو کبھی پیش نہیں آئی۔ اس احساس کو صحیح نام دینے کے لئے ہماری لغت میں الفاظ موجود نہیں ہیں۔

صورتحال کی سُنگینی کے پیش نظر آج میں آپ سے بلا تکلف کہہ دیتا ہوں کہ ہم خواہ مذہبی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہوں، ہم تمام لوگوں کا مستقبل اسی کرہ زمین کے مستقبل سے وابستہ ہے جسے خدا بیزار انسانی قیادت ہر اعتبار سے تباہ و بر باد کرنے اور بالآخر اس کی اینٹ سے اینٹ بجادینے کے درپے ہے۔ مختلف ممالک جو نیوکلیاریٰ قوت بن چکے ہیں یا بننے کا خواب دیکھ رہے ہیں در اصل ایک ایسی سمت کے مسافر ہیں جس کی الگی منزل انہیں معلوم نہیں۔ قوموں کے خواب سراب زدہ اور گمراہ کن ہیں۔ جھوٹی عظموں نے انہیں اپنی ساری قوت ایسے مقاصد کے لئے وقف کر دینے پر مجبور کیا ہے جس میں انسانیت کے لئے کوئی مستقبل نہیں ہے۔ بچ تو یہ ہے کہ صورتحال اب انسانی ہاتھوں سے نکل گئی ہے۔ جن بوتل سے باہر آ گیا ہے۔ ساحروں کو پتہ نہیں کے اسے دوبارہ بوتل میں واپس کیسے بھیجا جاسکتا ہے۔ طرفہ یہ ہے کہ ہم صورتحال کا صحیح ادراک کرنے سے قاصر ہیں کہ ہماری آنکھیں وہی کچھ دیکھتی ہیں جو ذرا لع ابلاغ دکھاتے ہیں اور چونکہ ذرا لع ابلاغ پر انہی غاصب قوتوں کا پھرہ ہے اس لئے عام انسان صورتحال کی سُنگینی کا واقعی اندازہ نہیں کر پا رہا ہے۔

ایک ایسی صورتحال میں جب دنیا پر تاریکی نے اپنے پنج گاڑ دیئے ہوں، جب سرگ کی دوسری طرف روشنی نظر نہ آتی ہو اور جب مختلف تہذیبوں میں پائی جانے والی سعید روحیں خود کو بے بس محسوس کرتی ہوں اور جب اس صورتحال سے پریشان ہو کر پوری دنیا، بالخصوص عیسائی معاشروں میں برملا یہ سوال کیا جانے لگا ہو کہ کہاں گئے وہ لوگ جنہیں حضرت مسیح نے زمین کا نمک اور دنیا کی روشنی کہا تھا اور جن سے یہ موقع تھی کہ ان تاریک ایام میں وہ دنیا کی رہنمائی کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ آج بھی نہ صرف چرچ کی اس مجلس میں بلکہ عیسائی دنیا کے مختلف ایوانوں میں مسیح کے پچ تبعین کے کانوں میں یہ صدا آ رہی ہو گی۔

”یقین جانو تم زمین کے نمک ہو اور اگر نمک اپنی نمکینیت کھو دے تو پھر اسے کون نمکین کر سکے گا... تم تمام اقوام کے لئے مینارہ نور ہو۔ ایک ایسا چراغ جو پہاڑی پر واقع ہو۔ جس کی روشنی میں ہر کوئی راستہ پاسکے۔ اپنی روشنی پر پرده نہ ڈالو، اپنی روشنی سے ساری دنیا کو منور کر دو، تمہاری روشنی سبھوں کے لئے مفید ثابت ہوتا کہ سب لوگ تمہارے آسمانی باپ کی نغمہ سرائی کر سکیں“۔ (متی ۵ آیات ۱۲ تا ۱۳)

مجھے یہ بات کہتے ہوئے بڑا لفظ ہو رہا ہے کہ جو لوگ کبھی دنیا کے لئے مینارہ نور تھے اب موجودہ تاریکی میں اپنے اس فرض

منصبی کو انجام نہیں دے رہے ہیں۔ ہمیں یہ تو نہیں کہنا کہ پوری عیسائی دنیا ظلمت میں ڈوبی ہوئی ہے۔ ہو سکتا ہے گا ہے بگا ہے ہمیں روشنی کے کچھ مناظر دکھائی دے جاتے ہوں۔ البتہ یہ ایک حقیقت ہے کہ فی زمانہ تبعین مسیح کی حیثیت مینارہ نور کی نہیں رہ گئی ہے ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ ہم خود کو ظلمت میں اس طرح گھرا پاتے۔ آج کی اس مجلس میں میں نے قدرے بے تکلفی سے کام لیا ہے ایسا اس لئے کہ میں خود کو ان کے درمیان پاتا ہوں جنہیں زمین کے نمک اور مینارہ نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ہم مسلمانوں نے تبعین مسیح کو ہمیشہ اہل کتاب سے خطاب کیا ہے یعنی ایک ایسا طائفہ جو خدا کے پے رسول کی پیروی کا دعویدار ہوا اور جسے ایمان و انصاف کے حوالے سے قائل کیا جاسکتا ہو۔ قرآن مجید ہمیں اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ ہم اہل کتاب کے ساتھ مشترکہ محاذ ترتیب دیں اور وہ باتیں جو ہمارے اور ان کے درمیان مشترک ہیں ان کی بنیادوں پر مشترکہ جدوجہد کا پروگرام بنائیں۔ بالفاظ دیگر مجھے کہنے دیجئے کہ تبعین مسیح اور تبعین محمدؐ کے لئے مشترکہ جدوجہد کی بنا ہمارے نزد یک نہ صرف یہ کہ قابل قبول ہے بلکہ قرآن مجید اس کا داعی بھی ہے۔ البتہ اس حقیقت کے اظہار میں مجھے تکلف نہیں برنا تاچاہئے کہ ﴿یا اہل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء﴾ کی دعوت ماضی میں بعض سیاسی وجوہ کے سبب اس طرح نہیں بر تی جاسکی ہے جیسا کہ اس کا حق تھا۔ آئیے میں ذرا اس بات کی وضاحت کروں۔

اسلام کے ابتدائی ایام میں جب خدا کا آخری رسول ہمارے درمیان موجود تھا، ہم مسلمانوں پر یہ حقیقت واضح تھی کہ انسانی تاریخ میں تبعین محمدؐ ایک خاص مقام پر فائز ہیں۔ یہودی اور عیسائی قوموں کے بعد انسانی تاریخ کی رہنمائی کی ذمہ داری ہمیں سونپی گئی ہے۔ قرآن نے بہت واضح الفاظ میں ہمیں بتایا ہے کہ محمد رسول اللہ کی دعوت بعینہ وہی دعوت ہے جو حضرت ابراہیمؐ اور دوسرے انبیاء کے ذریعہ انسانوں کی طرف بھی گئی بلکہ قرآن نے تو اس بات کی صریح الفاظ میں وضاحت کی ہے کہ محمد رسول اللہ دین برائی کے احیاء کے لئے بھیج گئے ہیں۔ وہی ابراہیمؐ جسے قرآن مسلم خنیف کے لئے رول ماؤل کے طور پر پیش کرتا ہے اور جس کے پچھے تبعین کے لئے کامیابی کی ضمانت دی گئی ہے۔

قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؐ کی دعا کا مطالعہ یقیناً آپ کے لئے باعثِ دل چسپی ہو گا۔ ﴿ربنا واجعلنا مسلمین لك ومن ذريتنا امة مسلمة لك و ارنا مناسکنا وتب علينا انك انت التواب الرحيم﴾ (البقرة: ۱۲۸) ابراہیمؐ کی دعا قبول ہوئی اور ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی اولاد سے انبیاء کا ایک سلسلہ جاری ہوا یہاں تک کہ یہ سلسلہ حضرت اسماعیلؐ کی اولاد میں محمدؐ رسول اللہ پر تمام ہوا۔ انبیاء کا یہ خانوادہ جس میں ابراہیم و اسحق اسماعیل و یعقوب و سلیمان و داؤدؐ سبھی شامل ہیں، قرآن کہتا ہے، خدا کے پچھے تبعین کی جگہ گاتی کہکشاں ہے۔ ہم مسلمان ان تمام انبیاء پر ایمان لانا لازم خیال کرتے ہیں۔ ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے ﴿لَا فرق بین احد منهم﴾۔ یہ سب کے سب ہمارے لئے قابل اتباع ہیں پھر ہم ان کے پچھے تبعین اور ان سے اپنارشتہ

جوڑ نے والوں سے محبت ترک کر دیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کو ہم نے کبھی غیر نہ سمجھا۔ قرآن ایسے لوگوں کی مدد و ستائش کرتا ہے جن کا تعلق اہل یہود اور اہل نصاریٰ سے ہے۔ ایسا اس لئے کہ ان میں سے بعضوں کی پیشانیاں سجدے سے معمور اور ان کے دل خشیت الہی سے لبریز ہیں۔ قرآن مجید نے صرف یہ کہ ہمیں مشترکہ جہد و عمل کی بنیاد فراہم کی ہے بلکہ اس نے ہمیں اہل کتاب سے سماجی اور معاشرتی رشتہوں کی بھی اجازت دی ہے۔ اہل کتاب کا کھانا ہمارے لئے حلال کیا گیا اور ہمیں اس بات کی اجازت دی گئی کہ ہم ان کی عورتوں سے رشتہ منا کھت استوار کریں۔ قرآن کی پیدا کردہ یہی وہ وسعت قلبی تھی کہ جب عہد رسول میں نجران کے عیسائیوں کا ایک قافلہ مدینہ پہنچا تو رسول اللہ اس وفد کے ساتھ بڑی الفت و محبت سے پیش آئے، باوجود اس امر کہ کہ انہیں اپنے عیسائی بنے رہنے پر اصرار تھا۔ ہم مسلمانوں کے دل ہمیشہ سے حضرت مسیح کے سچے تبعین کے لئے کھلے رہے ہیں اور حضرت مسیح کے سچے تبعین بھی ہمارے ساتھ لطف و مہربانی سے پیش آئے ہیں۔ ذرا اس جہش کے باڈشاہ نجاشی کی مثال ملاحظہ فرمائیے جس نے مسلمانوں کو سیاسی پناہ دی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ نجاشی کی موت کی خبر جب مدینہ پہنچی تو رسول اللہ کو بڑا اتفاق ہوا آپ نے اس کے لئے غالبہ نماز جنازہ پڑھی۔ آپ نے کہا لوگو! آج تمہارا ایک بھائی رخصت ہو گیا ہے اس کی مغفرت کی دعا کرو۔ مسلمانوں کی پہلی نسل خود کو عیسائیوں سے کتنا قریب سمجھتی تھی اس کا اظہار قرآن کی ان آیات سے ہوتا ہے جن میں ایرانیوں کے ہاتھوں رومی عیسائیوں کی شکست پر قرآن نے مسلمانوں کو دلا سہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ جلد ہی اہل ایمان کو اس صدمے کے ازالہ کی خوشخبری ملے گی جب رومی عیسائی کے ہاتھوں ایرانی لشکر شکست پائے گا۔

حتیٰ کہ ان ایام میں جب اسلامی تحریک پر خطرات کے بادل منڈلار ہے تھے اور جب یہود و نصاریٰ سے مسلمانوں کو متوقع تعاون ملنے کے بجائے ان کی طرف سے مسلسل مخالفتوں اور ریشه دو ایوں کا سامنا تھا ان حالات میں بھی اہل کتاب کے سلسلے میں مسلم فکر کو مجرور نہیں ہونے دیا گیا، ہماری وسعت قلبی بدستور باقی رہی۔ رسول اللہ انہیں اہل کتاب قرار دیتے رہے اور قرآن اس بات کا بر ملا اعلان کرتا رہا کہ ﴿لَيْسُوا سُوَاءٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِمَّا قَائِمٌ يَتْلُونَ آيَاتَ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ﴾ (آل عمران: ۱۱۳) اور یہ کہ ﴿وَمَنْ قَوْمٌ مُّوسَىٰ اُمَّةٌ يَهُدُونَ بِالْحَقِّ﴾ (الأعراف: ۵۹)۔ رہی عیسائیوں کی بات تو عیسائیوں کے سلسلے میں ہم نے ہمیشہ تعلق خاص کا اظہار کیا ہے۔ بقول قرآن ”تم اہل ایمان سے محبت میں ان لوگوں کو قریب پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے درمیان علماء، اور عبادت گذار افراد پائے جاتے ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ وہ تکبر نہیں کرتے“ (مائده: ۸۲)۔

قرآن نے چونکہ اہل کتاب کو ایسے گروہ کی حیثیت سے متعارف کرایا ہے جو مسلمانوں ہی کی طرح خدا کی اتباع کو اپنی قومی زندگی کے لئے سب افخار قرار دیتا ہے اس لئے مسلمانوں نے ہمیشہ اہل کتاب کی طرح احترام و رواداری کا مظاہرہ کیا ہے۔

مسلم ریاستوں میں انہیں اعلیٰ مناصب دیا جانا اور انہیں مذہبی آزادی کی ضمانت اسی بات پر دال ہے۔ اسلامی ریاست اہل کتاب کے حقوق کے سلسلے میں اتنے حزم و احتیاط کا مظاہرہ کرتی رہی ہے کہ جب حضرت عمر فاتح کی حیثیت سے یہ شلم میں داخل ہوئے تو صرف اس خیال سے آپ نے چرچ کے اندر نماز پڑھنا مناسب خیال نہ کیا کہ مبادا ان کا یہ عمل مسلمانوں کے لئے چرچ کو مسجد میں تبدیل کرنے کا سبب بن جائے۔ حتیٰ کہ چرچ کے باہر جن سیڑھیوں پر آپ نے نماز ادا کی اس بارے میں بھی آپ نے یہ تحریری ضمانت دینا ضروری سمجھا کہ مسلمان صلوٰۃ عمر کو نظیر بناتے ہوئے اس جگہ کو مسجد میں تبدیل نہ کر دیں۔

رہی یہ بات کہ اہل کتاب کے معابد تو اس بارے میں اگر مسلمانوں نے احترام و رواداری کا مظاہرہ کیا ہے تو اس کی بنیاد بھی قرآن میں موجود ہے۔ بالفاظ قرآن ﴿وَلَوْلَا دَفَعَ اللَّهُ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِعِصْمِهِمْ لَهُدْمَتْ صَوَامِعَ وَبَيْعَ وَصَلَوَاتَ وَمَسَاجِدَ يَذْكُرُ فِيهَا اسْمَ اللَّهِ كَثِيرًا﴾ اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ نہ ہٹاتا رہتا تو یہ خانقاہیں چرچ، سنا گاؤں اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام لیا جاتا ہے ڈھادی جاتیں (الحج: ۴۰)۔ مسجدوں کے ساتھ ساتھ خانقاہوں چرچ اور سنا گاؤں کا تذکرہ اور پھر یہ کہنا کہ ان میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے اس بات پر دال ہے کہ مسلمانوں کو اہل کتاب کے معابد کو بنظر احترام دیکھنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ ابتدائی ایام میں مسلم ذہن پر یہ حقیقت روشن تھی کہ ان کی دعوت تمام انبیاء کی دعوتوں کا ارتکاز ہے۔ ان سے پہلے جو لوگ کتابوں کے حاملین رہے ہیں۔ انہوں نے بھی دنیا کو بندگی رب کی دعوت دی ہے۔ اب چونکہ آخری نبی کی حیثیت سے مسلمان منصب سیادت پر فائز ہیں اس لئے دنیا کے تمام اہل ایمان کی کمائڈ ان کے ہاتھوں میں ہے جب تک مسلمان خود کو اس منصب عظیم کا حامل سمجھتے رہے وہ اہل کتاب کی قوتوں کو کلمة سواء کی بنیاد پر عظیم نبوی مشن کے لئے استعمال کرتے رہے۔ البتہ جب سے انہوں نے بعض سیاسی اور معاشری عوامل کے تحت خود کو امت مامور کے بجائے اہل کتاب ہی کی طرح ایک عام امت سمجھنے لگے، ان کی وسیع النظری اور رواداری کو گہن لگ گیا۔ ہمارے علماء و فقہاء اہل کتاب کے سلسلے میں تحفظ ڈھنی کے اسیر ہو گئے اور ہمیں ایسا محسوس ہونے لگا گویا کلمۃ سواء کے مشترکہ پروگرام میں اب اہل کتاب کی وہ اہمیت باقی نہیں رہی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جب عباسی بغداد میں بعض اہل یہود کو کلیدی عہدے عطا کئے جانے لگے تو اس صورت حال نے مسلمانوں میں قومی طرز فکر رکھنے والوں کو اندر یشوں میں مبتلا کر دیا۔ اموی دور حکومت ہی سے کلیدی مناصب کی تقسیم میں قبائلی عصوبیت کا فرما ہو گئی تھی۔ لوگ اس بات کو حق بجانب سمجھنے لگے تھے کہ اعلیٰ عہدوں پر تقری میں خاندانی تعلقات اور قومی شناخت کو بھی مد نظر رکھا جائے۔ دوسری طرف اہل یہود کے بعض خاندان بعض انتظامی اور معاشری علوم میں اپنی سبقت کی وجہ سے خصوصی امتیاز کے حامل تھے۔ جس کی وجہ سے حکومت کی نگاہ انتخاب ان پر پڑ رہی تھی۔ اسی عہد میں قومی مسلمانوں کی طرف سے بعض ایسی روایتیں وضع کی

گئیں جن سے یہ بتانا مقصود تھا کہ اہل کتاب کو اسلامی ریاست میں اہم مناصب عطا نہیں کئے جاسکتے۔ کہا جاتا ہے کہ بنو قریظہ کے قتل کا قصہ جو بعد کے عہد میں سیرت کی کتابوں میں تو اتر کے ساتھ نقل ہوا ہے، ابن اسحاق اور دوسرے مؤرخین کے ہاتھوں اسی عہد میں تشکیل پایا ہے۔ ہمارے عہد میں بعض ایسی تحقیقات منظر عام پر آئی ہیں جس نے اس واقعہ کے سلسلے میں سخت شبہات پیدا کر دیئے ہیں۔ نبی رحمت کے ہاتھوں کسی قبیلہ کے اجتماعی قتل عام کو نہ صرف یہ کہ ذہن قبول نہیں کرتا بلکہ تاریخ بھی اس کو تسلیم کر نے سے انکاری ہے۔ ان تراشیدہ قصوں کے اثرات ہی کا نتیجہ تھا کہ اہل کتاب کے سلسلے میں عہد عبادی میں ہمارے فقہاء مفکرین کے نظر یہ بد لئے لگا کہ کفار کی طرح اہل کتاب کو بھی، جنہیں اب تک ہم قرآنی دائرہ فکر میں ایمانی گروہ سمجھتے رہے تھے، صاغرون بن کر رہنا ہو گا۔

اہل کتاب اور دوسرے گروہوں کی طرف ہماری وسعت قلبی کے خاتمه نے ہمیں ایک قومی امت کے حصار میں محصور کر دیا اور ہم جواب تک تمام نوع انسانی کے لئے انصاف مساوات اور حریت کے حصول کو اپنا مقصد قرار دیتے تھے اب ان عظیم مقاصد کو ہم نے صرف اپنی قوم کے لئے مخصوص کر دیا۔ اہل کتاب کے سلسلے میں ہمارے اس نئے رو یہ کی تشکیل میں بنو قریظہ سے متعلق تراشیدہ قصہ اور معابدہ عمر کے مفروضہ دستاویز نے کلیدی روٹ ادا کیا ہے۔ ہمارے مفکرین نے اس بات پر غور کرنے کی ضرورت کم ہی سمجھی کہ بنو قریظہ کا مفروضہ واقعہ نہ صرف یہ کہ قرآن کے بنیادی اصولوں سے بلکہ خود اس واقعہ کے بیان میں اتنے تضاد موجود ہیں کہ اس کی بنیاد پر کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ دوسری طرف معابدہ عمر کے مختلف متن تاریخ کی مختلف کتابوں میں ملتے ہیں۔ ہر متن ایک دوسرے پر اضافہ معلوم ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اس دستاویز کو حضرت عمر جیسی جلیل القدر شخصیت سے منسوب کرنا مناسب نہیں اور نہ ہی کسی ایسے مشکوک دستاویز کی بنیاد پر اہل کتاب کے سلسلے میں ایک ایسا نافذ ظہر تشکیل دیا جاسکتا ہے جو انہیں حلیف کے بجائے حریف کے طور پر پیش کرے۔ افسوس اہل کتاب کے سلسلے میں عہد عبادی میں ہمارے رو یہ نے جو کروٹ لی اس کی بنیادیں قرآن کے بجائے اس تاریخ میں ہے جس کی سند مشکوک ہے۔ مجھے اس بات کو بھی تسلیم کرنے میں کوئی تکلف نہیں ہے کہ خلافت علی منہاج النبوة جب اپنی اصل بنیادوں سے ہٹ کر ملوکیت کی راہ پر گامزن ہو گئی تو اس دور میں ہم نے اسلام کی اشاعت کے بجائے مسلم قومی افتخار کا علم بلند کرنا ضروری سمجھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اہل کتاب سے ہمارے رشتؤں کی دینی بنیاد نہ صرف یہ کہ متاثر ہوئی بلکہ ہم انہیں قومی افتخار کے پروجیکٹ میں رکاوٹ کے طور پر دیکھنے لگے۔ اب چونکہ نہ ہم اس انبیائی مشن کے حامل تھے اور نہ ہی اہل کتاب کو اپنا حلیف بنانے کی ضرورت سمجھتے تھے اس لئے فقہاء اسلام نے آگے چل کر ان کے ساتھ سماجی رابطوں کے سلسلے کو منقطع کرنے کی کوشش کی۔ کتابیہ عورت سے نکاح کو معیوب سمجھا جانے لگا۔ ہمارے مفکرین یہ سمجھنے لگے کہ مسلمانوں کی قومی ریاست اسلام کے بجائے عرب عصیت سے قوت حاصل کر سکتی ہے اور یہی اس کے لئے

نقطہ اتحاد ہو سکتا ہے۔ اسلام سے عرب عصیت تک کے اس سفر نے مسلم ذہن کو ایک بڑے بحران سے دوچار کر دیا۔ جلد ہی دنیا نے دیکھا کہ مسلمان اور نصاریٰ جو کبھی فطری حلیف تھے، دوسرا لوں تک مسلسل ایک دوسرے سے نہ ردا زمار ہے۔ صلیبی جنگوں نے نہ صرف یہ کہ عیسائی مسلم تعلقات کی دینی بنیاد میں ہلا دیں بلکہ آنے والی صدیوں میں مسلمانوں کے سلسلے میں عیسائی نقطہ نظر کی تشکیل میں ان جنگوں نے کلیدی روٹ ادا کیا۔ پروپیگنڈہ اتنا شدید تھا کہ یورپ میں صدیوں محمد رسول اللہ کو جھوٹ پیغمبر اور بہروپیے (نعوذ بالله) کی حیثیت سے دیکھا جاتا رہا حتیٰ کہ اٹھار ہوئی صدی تک لندن کے سٹچ ڈراموں میں محمد رسول اللہ کو ایک ایسے شخص کی حیثیت سے پیش کیا جاتا رہا جو بقول ان ڈراموں کے پوپ بننا چاہتا تھا لیکن جب ان کی خواہش پوری نہ ہوئی تو انہوں نے عیسایت کے خلاف ایک نیا مذہب ایجاد کر ڈالا۔ شکلیپیر کے ڈراموں میں foul fiend Mahu کی گونج اور دانتے کی ڈوانیں کامیڈی میں رسول اللہ کو جہنم کے مرکزی حصے میں دکھایا جانا اس مخالفانہ پروپیگنڈہ کی بین مثال ہے۔ اسلام کے خلاف اس متعصباً نہ پروپیگنڈہ نے یورپ کے ادب کو جس طرح متاثر کیا ہے آج مغربی ذہن پر اس کے اثرات پڑ رہے ہیں کچھ یہی حال ہمارے علماء کی ان تحریروں کا ہے جو صلیبی جنگوں کے تناظر میں اہل نصاریٰ کے سلسلے میں لکھی گئی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس قدیم فقہی مکالمہ کا صلیبی جنگوں سے اوپر اٹھ کر جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ یہ قدیم فقہی محاکمه قرآنی دائرہ فکر کی پوری پوری پاسداری کرتے ہیں یا نہیں گویا دونوں طرف فقہی اور مذہبی ادب کے بے لاگ محاکمه کی ضرورت ہے اگر مسلمانوں کو ایک طرف اہل کتاب کے سلسلے میں فقہی مباحث کو قرآنی دائرہ فکر میں از سر نہ تشکیل دینے کی ضرورت ہے تو دوسری طرف عیسائی علماء پر بھی لازم ہو گا کہ وہ بائل میں موجود حضرت مسیح کے خطبوں کی روشنی میں اسلامی مشن کا صحیح اور منصفانہ محاکمه کریں گویا دونوں طرف ایک نئی دینیات تشکیل دیے بغیر مسلمان اور اہل کتاب پھر سے فطری حلیف نہیں بن سکتے ہیں۔ یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ دنیا میں مختلف شعوب و قبائل کا پایا جانا اور مختلف انبیاء کے ایمانی طائفے دراصل خدائی اسکیم کا حصہ ہیں۔ خدا نے ہمیں مختلف اقوام و ملل میں پیدا کیا ہے اور مختلف ایمانی سلسلوں میں ہماری شناخت تشکیل دی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ہم مختلف ایمانی حوالوں سے جانے جائیں۔ ﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لِجَعَلَهُمْ أَمَةً وَاحِدَةً﴾ (الشوری: ۸) ہمارا کام صرف یہ ہے کہ ہم خیر کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کریں لیکن اس کے عکس ہوتا یہ ہے کہ ہر گروہ نجات کو صرف اپنے لئے مخصوص سمجھنے لگتا ہے۔ حالانکہ ان نازک امور پر نفتگو سے قرآن اور بائل دونوں جگہ منع کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ اور مجھے یقین ہے کہ آپ حضرات بائل کے فرمان thou shall not judge سے بھی واقف ہوں گے۔ جب خدا نے نجات کے معاملہ کو اپنے ہاتھ میں رکھا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اہل ایمان کے طائفے کو جہنم رسید کرنے میں ہم اپنی قوتیں ایک دوسرے پر صرف کریں۔

عزیز بھائیو اور بہنو!

فرد کی طرح ہر سل اپنی فہم و بصیرت کے لئے خود ہی جواب دہ ہے۔ ہمارے متفقہ میں کی فہم و بصیرت کا حساب ہم سے نہیں لیا جائیگا۔ ﴿تُلَكَ أَمَةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسِبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسِبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (البقرة: ۱۳۴) ہم اس بات کے ہر گز سرز اور نہیں کہ متفقہ میں کی لغوشوں کا بوجھا پنے کا ندھوں پر اٹھائے پھریں اگر آج ہم متفقہ میں کی تحریروں کو حرف آخر کی حیثیت سے دیکھنے کی کوشش کریں گے تو کسی نئی ابتداء کا امکان سرے سے ختم ہو جائے گا۔ صلیبی جنگیں کب کی ختم ہو چکی ہیں تب سے اب تک انسانی تاریخ نے ایک طویل سفر طے کیا ہے۔ ہمیں یہ بات بھی نہیں بھلانی چاہئے کہ آج جو لوگ ہمارے درمیان تہذیبی جنگ کا بغل بجا رہے ہیں وہ عیسائیت کے سچ نمائندہ یا حضرت مسیح کی تعلیمات کے سچے امین نہیں ہیں اور نہ ہی انہیں ساری عیسائی دنیا کی حمایت اور سرپرستی حاصل ہے۔ جو لوگ جدید دنیا کو عیسائی مسلم خانوں میں مٹی دیکھتے ہیں وہ دراصل صورتحال کے صحیح محکمہ سے قاصر ہیں۔ سچ تو یہ ہے آج پوری نوع انسانی باطل کے ہاتھوں دہشت زدہ ہے۔ اہل ایمان کے تمام ہی طائفوں کی یہ مشترکہ ذمہ داری ہے کہ وہ معاصر دنیا کو جنگ کی تباہ کاری اور نا انصافی کی عقوبات گاہ سے نجات دلائیں۔ مجھے اندازہ ہے کہ اس وقت عیسائی دنیا میں مسلمانوں کے خلاف جس طرح نفرت پھیلا دی گئی ہے اور جس طرح اسلام اور مسلمانوں کو موت و دہشت کا ایجنت باور کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے، عیسائی علماء اور مغربی مفکرین کے لئے اپنے ثقافتی ادب سے دست کش ہونا کچھ آسان نہ ہوگا۔ اور نہ ہی ان کے لئے یہ آسان ہوگا کہ وہ خالص تعلیمات مسیح کی روشنی میں اسلامی مشن کا محکمہ کر سکیں۔ نفرت کی اس فضامیں اسلام کی غیر جانبدارانہ تفہیم یقیناً ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ لیکن اگر ہمیں دنیا کو جنگ و نا انصافی سے بچانا ہے تو اس سرز میں پر پائے جانے والے اہل ایمان کے تمام طائفوں کو مشترکہ جدوجہد کے لئے آگے آنا ہوگا۔ مجھے یقین واثق ہے اس عظیم کام میں اللہ کی نصرت اور رہنمائی ہمارے شامل حال ہوگی۔ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِي نَّا لَنَهَدِنَّهُمْ سَبِلًا اور مجھے یقین ہے کہ ایک نئی ابتداء کے لئے ہمارے عیسائی بھائی بہنوں کے کانوں میں بھی حضرت مسیح کی ان ایمان افروز صداؤں کی گونج سنائی دے رہی ہو گی:

Ask, and it shall be given you;

Seek, and ye shall find;

Knock, and it shall be opened unto you.